Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

JOURNAL PROFILE
Noor-e-Tahqeeq is a quarterly, HEC "Y" Category research journal of Lahore Garrison University, publishing peer-reviewed studies in Urdu language and literature since 2017. It provides a credible platform for original research and contemporary criticism.

CONTACT
Dr Muhammad Haroon Qadir
Editor, Noor e Tahqeeq
Department of Urdu
Lahore Garrison University, Lahore 0303-3330345

Email
lgunt@lgu.edu.pk

Website
https://ojs.lgu.edu.pk/nooretahqeeq

ISSUE DETAILS
Volume 9, No 03
July to Sept 2025
Page No: - 117-129

DOI
https://doi.org/10.54692/nooretahqeeq.2025.090355

HISTORY OF THE PAPER
Received on: July 15, 2025
Accepted on: Aug 12, 2025
Published on: Sept 30, 2025

PUBLISHED BY
Department of Urdu,
Lahore Garrison University
DHA Phase 6, Sector C,
Avenue 4, Lahore

TITLE OF THE PAPER

The Progressive Writers' Movement and the Intellectual and Formal Evolution of Urdu Nazm: A Critical Study

ترقی پسند تحریک اور اردو نظم کا فکری و ہیئتی ارتقا: ایک تنقیدی مطالعہ

AUTHOR(s)

Faisal Abbas
PhD Scholar, Department of Urdu
Minhaj University, Lahore

Dr Muhammad Ayub Nadeem
Associate Professor, Department of Urdu
Minhaj University, Lahore

ABSTRACT

The Progressive Writers' Movement played a significant role in transforming the intellectual and formal dimensions of modern Urdu Nazm. Emerging against the backdrop of colonialism, political unrest, economic inequality, and social injustice, the movement emphasized the relationship between literature and society. This study critically examines the ideological foundations, thematic developments, and formal innovations introduced by progressive poets. Employing a historical and analytical approach, it explores how progressive thought challenged conventional poetic traditions and promoted social realism, political consciousness. The study also investigates the relationship between ideological commitment and artistic freedom, highlighting debates concerning literary aesthetics and creative independence. The findings reveal that the movement significantly broadened the thematic scope and expressive possibilities of Urdu Nazm. Despite ideological and artistic controversies, its contributions remain central to understanding the evolution of modern Urdu poetry and its enduring literary significance.

KEY WORDS

Progressive Writers' Movement, Intellectual Evolution, Formal Experimentation, Literary Modernity, Criticism.

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

ترقی پسند تحریک اور اردو نظم کا فکری و ہیئتی ارتقا: ایک تنقیدی مطالعہ

پہلی جنگِ عظیم کے بعد ہندوستان میں سیاسی سرگرمیوں میں نمایاں اضافے کے ساتھ ساتھ سماجی اصلاح کی کوششوں نے بھی نئی رفتار اختیار کی۔ مغرب سے آنے والے جدید سیاسی، سماجی اور معاشی تصورات نے ہندوستان کے تعلیم یافتہ نوجوان طبقے کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ ان تصورات نے انہیں سوچنے، سمجھنے اور معاشرے کو دیکھنے کا ایک نیا زاویہ فراہم کیا۔ اس دور میں آزادی، سماجی انصاف، معاشی مساوات، ظالمانہ رسوم، فرسودہ اخلاقی روایات اور طبقاتی ناانصافی جیسے مسائل پر سنجیدہ گفتگو شروع ہوئی اور ادب کو بھی عوامی شعور بیدار کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ سمجھا جانے لگا۔ یہی وجہ تھی کہ ادب میں مافوق الفطرت عناصر، خیالی دنیا اور رومانوی فرار کے بجائے حقیقت نگاری اور واقعیت پسندی کو اہمیت حاصل ہونے لگی اور ادیب اب زندگی کو اس کی اصل صورت میں پیش کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ تاریخی اعتبار سے ترقی پسند تحریک کی فکری جڑیں ۱۸۵۷ء کی اس جدوجہد سے بھی وابستہ دکھائی دیتی ہیں جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف دہلی اور دیگر علاقوں میں آزادی کے حصول کے لیے کی گئی۔ اس جدوجہد کی ناکامی کے بعد برصغیر پر انگریزوں کے مکمل اقتدار کی راہ ہموار ہوئی۔ اس سیاسی تبدیلی نے ہندوستانی معاشرے کو حاکم قوتوں کے افکار، اقدار اور تہذیبی رویوں سے متاثر کیا نتیجتاً مقامی سماج کی قدریں تبدیل ہونے لگیں۔ برصغیر میں سامراجی نظام کے مکمل نفاذ سے پہلے ہی مقامی معاشرہ کئی داخلی مسائل کا شکار تھا۔ جاگیردارانہ نظام، طبقاتی فرق، سماجی ناانصافیاں، فرسودہ روایات اور عوامی محرومی جیسے مسائل معاشرے کے لیے ناسور کی حیثیت رکھتے تھے۔ ایسے حالات میں کسی نئی فکر یا اصلاحی نظریے سے متاثر ہونا ایک فطری عمل تھا۔

محمد حسین آزاد نے انجمنِ پنجاب کے پلیٹ فارم سے اُردو نظم کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے شاعری کو محدود، روایتی اور درباری دائرے سے نکال کر زندگی، فطرت اور حقیقت سے قریب کیا۔ اسی بنا پر ان کی کوششوں نے اُردو شاعری کو "نیچرل شاعری" کے تصور سے وابستہ کیا۔ آزاد نے انیس اور نظیر کی ادبی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے شاعری میں فطری اظہار، عوامی موضوعات اور زندگی کے "حقیقی مشاہدات کو اہمیت دی۔ "ادب کا بھاری بھر کم ذخیرہ حقیقی زندگی اس کے مسائل اور موضوعات سے عاری تھا۔(۱)

مولانا الطاف حسین حالی نے اُردو ادب میں "مقدمہ شعر و شاعری" اور "مسدس" کے ذریعے ایک نئے ادبی شعور کو فروغ دیا۔ مقدمہ شعر و شاعری" نے اُردو تنقید کو باقاعدہ فکری بنیاد فراہم کی، جبکہ "مسدس" نے طویل نظم کے ذریعے قوم، تاریخ، زوال، اصلاح اور" بیداری جیسے موضوعات کو ادبی سطح پر پیش کیا۔ اس طرح حالی نے ادب کو محض روایت پرستی سے نکال کر مقصدیت، اصلاح اور تنقیدی شعور سے وابستہ کیا۔(۲)

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

شبلی نے شاعری، سوانح نگاری اور تنقید نگاری میں اپنی علمی بصیرت اور ادبی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کیا۔ ان کی تحریروں میں تاریخ، تہذیب، مذہب، قومیت اور ادب کا گہرا شعور موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اُردو ادب کے ان اہم اہلِ قلم میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے روایت اور جدیدیت کے درمیان ایک فکری ربط قائم کیا۔ اُردو ادب میں ترقی پسند فکر کے اہم نقیب اور مبلغ علی سردار جعفری نے علی گڑھ تحریک کو مادی تناظر میں سراہا ہے۔ ان کے نزدیک علی گڑھ تحریک نے صرف تعلیمی اصلاح کا کام نہیں کیا بلکہ اس نے ایک ایسے نئے ذہنی اور سماجی ماحول کی تشکیل میں بھی کردار ادا کیا جس نے بعد میں جدید ادب، سماجی شعور اور ترقی پسند فکر کے لیے فکری زمین ہموار کی۔

مولوی نذیر احمد نے بھی اُردو ادب کو اصلاحی سمت دینے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انہوں نے ہندوستانی معاشرے کی خامیوں، انگریزی تقلید، کثرتِ ازدواج اور مذہب کے جامد تصور پر طنزیہ انداز میں تنقید کی۔ تاہم ان کی تنقید محض اعتراض تک محدود نہیں تھی، بلکہ اس کے پس منظر میں اصلاحِ معاشرہ کا واضح مقصد موجود تھا۔ انہوں نے ادب کو سماجی خرابیوں کی نشاندہی اور اخلاقی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ اگر اُردو ادب کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس انقلابی فکر کی بازگشت سب سے پہلے علامہ اقبال کی شاعری میں نمایاں طور پر سنائی دیتی ہے۔ اقبال نے انقلاب کے تصور کو بھرپور انداز میں قبول کیا اور ایک نئے دور کی آمد کی بشارت دی۔ ان کی شاعری میں پرانے نظام کے زوال، نئی انسانی بیداری، اور اجتماعی تبدیلی کا احساس واضح طور پر موجود ہے۔ یہی فکری فضا آگے چل کر اُردو ادب میں ترقی پسند رجحانات کے لیے ایک اہم بنیاد ثابت ہوئی۔ (۳)

اسی تشویش ناک صورتِ حال نے یورپ کے دانشوروں، ادیبوں اور اہلِ قلم کو فاشزم کے بڑھتے ہوئے طوفان کے خلاف آواز بلند کرنے پر آمادہ کیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ خاموشی اختیار کرنا ظلم اور جبر کی حمایت کے مترادف ہو گا۔ اس لیے ادیبوں نے اپنے قلم کو مزاحمت، انسانی آزادی اور تہذیبی دفاع کا ذریعہ بنایا۔ رفتہ رفتہ یورپ اور امریکہ کے دانشور، ادیب اور ترقی پسند اہلِ فکر بھی فاشزم مخالف تحریکوں میں شامل ہونے لگے۔ انہوں نے ادب، صحافت، تقاریر، تنظیمی سرگرمیوں اور عوامی مباحث کے ذریعے فاشزم کے خلاف رائے عامہ بیدار کرنے کی کوشش کی۔ اس عمل نے عالمی سطح پر ادب کو ایک نئے کردار سے روشناس کرایا، جہاں ادیب صرف مشاہدہ کرنے والا فرد نہیں رہا بلکہ انسانی آزادی، امن، انصاف اور تہذیبی بقا کی جدوجہد کا فعال حصہ بن گیا۔ (۴)

ہندوستان میں سیاسی اور سماجی بیداری کے فروغ کے ساتھ اُردو ادب بھی اس فکری تبدیلی سے لاتعلق نہ رہ سکا۔ بدلتے ہوئے حالات نے ادب کے مزاج، موضوعات اور اسلوب کو متاثر کیا۔ اس عہد کا ادب رفتہ رفتہ سماجی حقیقتوں کا آئینہ دار بننے لگا، جبکہ شاعر اور ادیب پہلے کے مقابلے میں زیادہ روشن خیال، وسیع النظر اور عصری شعور سے وابستہ دکھائی دینے لگے۔ اب ادیب صرف مقامی مسائل تک محدود نہیں رہے تھے، بلکہ وہ ملکی حالات کے ساتھ ساتھ عالمی سطح پر رونما ہونے والی سیاسی، سماجی اور فکری تبدیلیوں کو بھی پیشِ نظر رکھنے لگے۔ اسی وجہ

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

سے مغربی ادب، جدید فلسفے، انقلابی تحریکوں اور عالمی فکری رجحانات سے استفادہ کرنے کا رجحان بڑھا۔ اس تبدیلی نے اُردو ادب کو ایک وسیع تر فکری تناظر فراہم کیا۔

ہندوستان میں ترقی پسند تحریک کا باضابطہ قیام سب سے پہلے الہ آباد میں عمل میں آیا۔ یہی شہر اس تحریک کی ابتدائی سرگرمیوں کا مرکز بنا، اور یہیں سے اس نے اپنے فکری و تنظیمی سفر کا آغاز کیا۔ بہت کم عرصے میں اس تحریک نے مقامی دائرے سے نکل کر ملکی سطح پر اپنی اہمیت تسلیم کروائی۔

انجمن کی پہلی کانفرنس میں ترقی پسندوں نے پہلی بار ایک منظم پلیٹ فارم سے رجعت پسندی، ماضی پرستی اور مادیت سے نجات کا نعرہ بلند کیا۔ ترقی پسند مصنفین نے معاشرے اور ادب میں ایسی تبدیلی لانے کی خواہش ظاہر کی جس میں انسان اپنے بنیادی حقوق، آزادی، وقار اور مساوات سے بہرہ ور ہو سکے۔ اس تحریک کا بنیادی مقصد ادب کو انسانی زندگی کے حقیقی مسائل سے جوڑنا اور اسے سماجی تبدیلی کا مؤثر ذریعہ بنانا تھا۔ اس کانفرنس کی صدارت کے لیے منشی پریم چند سے درخواست کی گئی، جو اس وقت اُردو اور ہندی کے ممتاز افسانہ نگار کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس موقع کے اعتبار سے ان کا انتخاب نہایت موزوں تھا، کیونکہ پریم چند پہلے ہی اپنے افسانوں اور ناولوں کے ذریعے ادب کو عوامی زندگی، سماجی حقیقت، طبقاتی مسئلوں اور اصلاحی شعور سے جوڑ چکے تھے۔ "معاشی اور سیاسی نظام میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اور ان تبدیلیوں کا اثر نہ صرف ادیب کے موضوعات بلکہ اس کے زاویۂ نگاہ پر بھی پڑتا ہے۔(۵)

ادب کے بارے میں اس نقطۂ نظر کے مطابق دو بنیادی خصوصیات ناگزیر سمجھی جاتی ہیں۔ پہلی یہ کہ ادب اپنے عہد کی اجتماعی زندگی سے گہرا، زندہ اور براہِ راست تعلق رکھتا ہو۔ دوسری یہ کہ اس کی تخلیق کسی واضح، متعین اور شعوری سماجی مقصد کے تحت کی گئی ہو۔ تاہم پہلی خصوصیت لازماً دوسری خصوصیت کو اپنے اندر شامل نہیں کرتی، کیونکہ ایسا ادب بھی تصور کیا جا سکتا ہے جو اجتماعی زندگی سے براہِ راست وابستہ ہونے کے باوجود کسی مخصوص سماجی مقصد کے حصول کا پابند نہ ہو۔ یہی ادب کا وہ بنیادی تصور تھا جسے ترقی پسند تحریک نے فروغ دینے کی کوشش کی۔ اس تحریک نے اس نظریے کو ہندوستان کے ادبی ماحول میں راسخ کرنے میں قابلِ ذکر کامیابی حاصل کی۔ چونکہ یہ نظریہ روایتی ادبی تصورات، فرسودہ جمالیاتی معیارات اور قدیم فکری بت خانوں کو چیلنج کر رہا تھا، اس لیے اس کی مخالفت ایک فطری امر تھی۔ چنانچہ اس نظریے کے خلاف شدید ردِ عمل سامنے آیا، اور ایک عرصے تک ہندوستان کے ادبی حلقوں میں اس مسئلے پر خاصی بحث و کشمکش جاری رہی۔ مگر رفتہ رفتہ اہلِ ادب نے زمانے کے تقاضوں کو سمجھنا شروع کیا، اور ادب کی سماجی افادیت سے استفادہ کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔

1935 کے بعد تک اردو شاعری کا غالب میلان وارداتِ عشق اور اس کی جزئیات کے بیان تک محدود رہا۔ اس عہد میں شعراء اپنے زمانے کے سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل کی عکاسی بھی عموماً عشق کے پردے میں کرتے تھے۔ اردو نظم، جو ابتدا میں مثنوی، قصیدہ اور مرثیہ

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

جیسی اصناف تک محدود تھی، بیسویں صدی تک آتے آتے اپنے موضوعات میں کچھ تبدیلیاں ضرور لائی، مگر اس میں ابھی تک کسی بڑی اور فیصلہ کن تبدیلی کے آثار نمایاں نہیں ہوئے تھے۔ قصیدہ بنیادی طور پر ممدوح کی مدح و توصیف کے لیے مخصوص تھا، اس لیے اس میں دیگر سماجی یا فکری موضوعات کی گنجائش نہایت محدود رہتی تھی۔ اگرچہ اس صنف میں شعراء نے اپنی تخلیقی قوت، زبان دانی اور تخیلاتی وسعت کا بھرپور مظاہرہ کیا، خصوصاً تشبیب کے حصے میں، لیکن اس کے باوجود نظم نگاری کے لیے کوئی آزاد، انفرادی یا مستقل راستہ فراہم نہ کر سکا۔(۶)

اسی طرح مرثیہ بھی اپنی مخصوص مذہبی، تاریخی اور تہذیبی روایت کے اندر کربلا کے واقعات کی عکاسی کرتا رہا۔ اس میں خیر و شر کے معرکے کو مختلف فنی اور جذباتی پیرایوں میں پیش کیا گیا۔ اگرچہ مرثیہ میں انسانی اقدار، ظلم کے خلاف مزاحمت اور اخلاقی شعور کے اظہار کی گنجائش موجود تھی، لیکن صنفی روایت اور اظہار کی مقررہ حدود نے اسے جدید نظم کے امکانات تک پوری طرح پہنچنے نہیں دیا۔ لے دے کر مثنوی ہی ایک ایسی صنف تھی جس میں موضوعات کی نسبتاً زیادہ آزادی موجود تھی۔ مگر بیسویں صدی سے پہلے اس کا دائرۂ اظہار بھی زیادہ تر عشقیہ داستانوں، مافوق الفطرت واقعات، شاہانہ ماحول اور امیرانہ زندگی کے بیانیے تک محدود رہا۔ اس دنیا میں عام انسان کی زندگی، اس کے مسائل اور اس کے تجربات کو بہت کم جگہ ملتی تھی۔ یہاں زیادہ تر شاہی دربار، اعلیٰ طبقاتی کردار اور غیر معمولی واقعات ہی ادبی اظہار کا مرکز بنتے تھے۔ تاہم جب یہ صنف بیسویں صدی میں داخل ہوئی تو اس کے میدان میں وسعت پیدا ہوئی، اور اس کی بنیادی ہیئت کو برقرار رکھتے ہوئے اس کے موضوعات میں تنوع پیدا کیا گیا۔

اگر ترقی پسند ادیبوں اور ناقدوں کی جانب سے پیش کیے گئے اس جواز کو سامنے رکھتے ہوئے تحریک کے آغاز سے پہلے کے شعری سرمایے کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دونوں ادوار میں جنسی موضوعات کے برتاؤ اور ان کے اسلوبِ اظہار میں نہایت نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ ترقی پسند تحریک کے آغاز سے قبل اردو شاعری میں جنس کا تصور بنیادی طور پر رومانی، جمالیاتی اور تہذیبی حدود کے اندر موجود تھا۔ اس اظہار میں حسن، محبت، رغبت اور انسانی جذبے کو توجگہ دی جاتی تھی، لیکن اس امر کا خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ بیان جنسی تلذذ، اشتعال انگیزی یا اخلاقی ابتذال کی سطح تک نہ پہنچنے پائے۔ اس کے برعکس نئے شعرا نے جب جنس کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا تو کئی ،مقامات پر اس کا اظہار فنی احتیاط، جمالیاتی توازن اور تہذیبی رکھ رکھاؤ سے محروم دکھائی دینے لگا۔ بعض نظموں میں فحاشی، ابتذال، پھکڑ پن عریانیت، حتیٰ کہ جنسی بیہودگی کے عناصر بھی کھل کر سامنے آنے لگے۔ ظاہر ہے کہ ہندوستانی معاشرے کی جڑوں میں پیوست مشرقی تہذیبی اقدار اس نوع کی بے احتیاطی اور بے راہ روی کو آسانی سے قبول نہیں کر سکتی تھیں۔ چنانچہ بزرگ اہلِ قلم اور روایت پسند ناقدین نے نوجوان شعرا کے اس رجحان کو نہایت سنجیدگی سے لیا۔ انہوں نے اسے محض شعر و ادب میں فنی شکست و ریخت کا مسئلہ نہیں سمجھا، بلکہ اسے مشرقی تہذیب، اخلاقی اقدار اور ادبی وقار پر ایک منظم اور کھلا حملہ تصور کیا۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

اسی بنا پر روایت پسند حلقے اس رجحان کی مخالفت میں باقاعدہ طور پر سامنے آئے۔ اس شدید تنقیدی ردِ عمل نے ترقی پسند تحریک کے ذمہ دار حلقوں کو اپنے طرزِ عمل پر سنجیدگی سے غور و فکر اور نظرِ ثانی پر مجبور کیا۔ بالآخر تحریک کے اندر سے بھی یہ احساس ابھرنے لگا کہ جنسی موضوعات کو شاعری میں جگہ دیتے ہوئے انہیں عریانیت، فحاشی اور غیر محتاط اظہار سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ اس طرح خود ترقی پسند تحریک کی جانب سے اس بے قابو رجحان کو روکنے کے لیے عملی اور فکری سطح پر اقدامات کیے گئے، جو بڑی حد تک مؤثر ثابت ہوئے۔ یہاں یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ روایت پسند ناقدین یا مشرقی تہذیبی اقدار کے حامی اہلِ قلم کو جنس کے موضوع سے اصولی اختلاف نہیں تھا۔ ان کا اصل اعتراض جنس کے عریاں، غیر جمالیاتی اور غیر محتاط اظہار پر تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ادب انسانی زندگی کے اس پہلو کو ضرور پیش کرے، لیکن اسے تہذیبی شائستگی، فنی توازن اور اخلاقی وقار کے ساتھ بیان کیا جائے۔(۷)

یہ بحث اپنی جگہ برقرار رہ سکتی ہے کہ کمیونزم کے فروغ میں استعماری حکمتِ عملی کا کوئی کردار تھا یا نہیں، تاہم یہ حقیقت ناقابلِ تردید ہے کہ کمیونزم کے اثرات اردو ادب اور شاعری پر نہایت گہرے انداز میں مرتب ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ اس نظریے سے وابستہ مخصوص لفظیات، مثلاً سرخ سورج، سرخ سویرا، سرخ آندھی، سرخ طوفان، برق و باد اور انقلاب وغیرہ کا استعمال اس حد تک بڑھ گیا کہ وہ اعتدال کی حدود سے تجاوز کرتا محسوس ہونے لگا۔ روسی ریاست اردو ادیبوں اور شاعروں کے تخیل میں ایک مثالی مملکت کی حیثیت اختیار کرنے لگی، اور اس کا تصور اردو ادبیات کا ایک نمایاں حصہ بنتا چلا گیا۔ یہ تبدیلی اردو زبان و ادب کے لیے عربی اور فارسی اثرات کے مقابلے میں زیادہ اجنبی اور بعض حوالوں سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عربی اور فارسی تہذیبیں، اپنے تمدنی رکھ رکھاؤ، اخلاقی تصورات اور ثقافتی قدروں کے اعتبار سے، ہندوستانی تہذیبی فضا سے کسی نہ کسی سطح پر رشتہ رکھتی تھیں۔ ان زبانوں اور تہذیبوں سے استفادہ اردو کے مزاج، ہندوستانی معاشرت اور مقامی اخلاقی اقدار کے لیے بنیادی طور پر ناموزوں نہیں تھا۔ اس کے برعکس روسی تمدن، سماجی ساخت اور اخلاقی تصورات ہندوستانی تہذیبی روایت سے بڑی حد تک مختلف تھے۔ نتیجتاً اردو شاعری کے زبان و بیان میں ایک نوع کی اجنبیت داخل ہونے لگی، اور ان نئے اشتراکی الفاظ و استعاروں کے ذریعے عوامی سطح پر یگانگت کا رشتہ قائم کرنے کی کوشش زیادہ کامیاب نہ ہو سکی۔

ہندوستانی عوام، جو اردو شاعری کے جمالیاتی، تہذیبی اور لطیف اندازِ بیان کے عادی تھے، اس نئے اور نسبتاً کھردرے انقلابی لہجے سے پوری طرح ہم آہنگ نہ ہو سکے۔ یوں اس رجحان کے منفی اثرات شعر و ادب کے دائرے میں دور تک پھیلنے لگے۔ مزید یہ کہ معاملہ صرف انقلابِ روس سے متاثر ہونے تک محدود نہیں رہا، بلکہ اس رجحان نے اس قدر وسعت اختیار کر لی کہ ہر وہ ملک جو کمیونزم یا اشتراکیت سے وابستہ تھا، بعض ترقی پسند شعرا کے نزدیک فکری رہنمائی اور انقلابی تحریک کا مرکز قرار پانے لگا۔ چنانچہ روس کے ساتھ ساتھ چین اور دیگر اشتراکی ممالک کے تذکرے بھی اردو شاعری میں داخل ہونے لگے۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

اس رجحان نے ایک طرف اردو شاعری کی جمالیاتی ساخت کو متاثر کیا، اور دوسری طرف شاعری کو ہندوستانی ماحول، مقامی زندگی اور ملکی تہذیبی تجربے سے جوڑنے کی جو کوشش کی جارہی تھی، اس کی راہ بھی کسی حد تک مسدود کر دی۔ نتیجتاً اردو شاعری کو بعد کے ادوار میں اس خارجی فکری بوجھ اور غیر مقامی علامتی نظام سے نجات حاصل کرنے کے لیے خاصی جدوجہد کرنا پڑی۔ اس عمل میں وقت بھی لگا اور تخلیقی سطح پر مسلسل محنت بھی درکار ہوئی، تاکہ شاعری دوبارہ اپنی مقامی حسیت، تہذیبی شناخت اور فنی توازن سے مربوط ہو سکے۔(۸)

اگرچہ اس طرزِ شاعری میں مطالب کے اظہار کے لیے زبان و بیان کی شگفتگی، فنی نزاکت اور جمالیاتی توازن کو برقرار رکھنا ہمیشہ آسان نہیں تھا، لیکن اس گروہ کے شعرا نے وقت کے تقاضوں کے پیشِ نظر اسے اپنی بنیادی ترجیح بھی نہیں بنایا۔ ان کے نزدیک فوری سیاسی پیغام، استعماری قوتوں کے خلاف احتجاج، اور عوام میں آزادی کا شعور پیدا کرنا فنی آرائش سے زیادہ اہم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کو محض فنی کمزوری کے زاویے سے نہیں، بلکہ ایک تاریخی، سیاسی اور تحریکی ضرورت کے طور پر بھی سمجھنا چاہیے۔

ترقی پسند تحریک نے اردو نظم نگاری کو ہیئتی سطح پر مختلف تجربات سے روشناس کرایا۔ یہ تجربات بعد کے ادوار کے شعرا کے لیے نہ صرف قابلِ توجہ بنے بلکہ ایک حد تک نمونے اور قابلِ تقلید رجحان کی حیثیت بھی اختیار کر گئے۔ چونکہ ترقی پسند تحریک اپنے فکری مزاج اور سماجی مقاصد کے اعتبار سے اردو شاعری کے روایتی دھارے کا رخ بدلنے کی خواہاں تھی، اس لیے اس سے وابستہ شعرا نے اپنے نظریاتی اور تخلیقی مقاصد کی تکمیل کے لیے اظہار کے دائرے کو وسیع کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس کی۔ ان کے نزدیک صرف غزل ہی نہیں بلکہ اردو شاعری کی دیگر مروجہ اصناف میں بھی ردیف، قافیہ، بحر اور روایتی فنی پابندیاں اکثر اوقات خیال کی وسعت اور بیان کی آزادی میں رکاوٹ بن رہی تھیں۔ اسی ضرورت کے تحت ترقی پسند شعرا نے سب سے پہلے معریٰ نظم کا تجربہ کیا۔ اس ہیئت میں ردیف اور قافیہ کی پابندی ختم کر دی گئی، تاہم نظم کے تمام مصرعوں میں ایک ہی وزن برقرار رکھا گیا۔ یہ تجربہ بہت جلد مقبول ہوا اور تقریباً تمام ترقی پسند شعرا نے اسے اپنے فکری، سماجی اور انقلابی مقاصد کے اظہار کے لیے ایک مؤثر اور خوش آئند وسیلہ تصور کیا۔ کچھ عرصے بعد ایک اور ہیئتی تجربہ سامنے آیا جسے آزاد نظم کا نام دیا گیا۔ اس صنف میں نہ قافیہ لازم تھا، نہ ردیف، اور نہ ہی بحر کی مکمل سالمیت کی پابندی ضروری سمجھی گئی۔ کسی ایک بحر کے رکن کو بنیاد بنا کر چھوٹے بڑے مصرعوں کے ذریعے نظم کی تشکیل کافی تصور کی گئی۔

اس رجحان کے زیرِ اثر رفتہ رفتہ اردو شاعری میں وزن، بحر، قافیہ اور ردیف جیسی روایتی فنی قدروں کو غیر ضروری، ثانوی بلکہ بعض اوقات بے معنی قرار دیا جانے لگا۔ ترقی پسند تحریک کے بعض حامیوں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ شاعری کے لیے یہی اسلوب زیادہ فطری، موزوں اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ اس فنی سہولت اور اظہار کی آزادی نے نئے شعرا کو خاص طور پر اپنی طرف متوجہ کیا۔ نتیجتاً اردو کی روایتی اصناف، بالخصوص غزل، کے بارے میں ان کا رویہ کسی حد تک معاندانہ ہو گیا اور وہ شعوری طور پر ان اصناف سے گریز کرنے لگے۔ اظہار و بیان کی اس وسعت اور سہولت نے ایک طرف اردو ادب کو چند نہایت اچھی اور مؤثر نظموں سے مالامال کیا، لیکن دوسری

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

طرف نو آموز اور کم مشق ترقی پسند شعرا کے لیے یہ آزادی گمراہی کا سبب بھی بنی۔ انہوں نے ان نئی ہیئتوں کو گہرے شعری تجربے کے بجائے محض نعرہ بازی، سطحی سیاسی اظہار اور براہِ راست پروپیگنڈے کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس بے اعتدالی نے معریٰ نظم اور آزاد نظم کی عوامی قبولیت کو نقصان پہنچایا اور بعض حلقوں میں ان کے خلاف منفی ردِ عمل پیدا ہوا۔ تاہم ایک تنقیدی حلقے کا یہ بھی مؤقف ہے کہ معریٰ نظم اور آزاد نظم کی ایجاد کو مکمل طور پر ترقی پسند تحریک کے کھاتے میں ڈالنا درست نہیں۔ اس نقطۂ نظر کے مطابق نظم کی یہ ہیئتیں ترقی پسند تحریک کے باقاعدہ آغاز سے پہلے ہی اردو ادبی منظرنامے میں نمودار ہو چکی تھیں۔ ترقی پسند تحریک کا اصل کردار یہ تھا کہ اس نے ان ہیئتوں کو زیادہ وسیع پیمانے پر اختیار کیا، انہیں نظریاتی اظہار کا ذریعہ بنایا، اور انہیں اردو شاعری کے جدید فکری اور سماجی مباحث سے مربوط کر دیا۔(۹)

ان مخالفین کا ایک بڑا اعتراض یہ بھی تھا کہ آزاد نظم شاعری میں سہل پسندی کو فروغ دیتی ہے۔ ان کے خیال میں جب شاعر کو بحر، وزن، قافیہ اور ردیف جیسی فنی پابندیوں سے آزادی مل جاتی ہے تو اس میں فنی ریاضت، صناعی اور شعری محنت کا جذبہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ یوں شاعر بتدریج اس سہولت کا عادی ہو جاتا ہے اور فن کے تقاضوں کو سخت محنت کے ساتھ نبھانے کے بجائے نسبتاً آسان اظہار کو ترجیح دینے لگتا ہے۔

شاعری کی ان نئی ہیئتوں کی مخالفت میں جو حلقہ سب سے زیادہ نمایاں تھا، وہ بنیادی طور پر روایت پسند شعرا اور ناقدین پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ اردو شعر و ادب کی کلاسیکی روایات، مروجہ جمالیاتی اصولوں اور قدیم فنی اقدار کے دلدادہ تھے۔ وہ اردو شاعری میں داخل ہونے والی ہر نئی تبدیلی کو شک و شبہے کی نظر سے دیکھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اس کے ممکنہ منفی اثرات سے ادب کو محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے وہ آزاد نظم اور معریٰ نظم کی بھرپور مخالفت کرتے رہے۔ تاہم یہ رویہ مکمل طور پر درست یا متوازن نہیں تھا، کیونکہ ہر نئی ادبی تبدیلی کو محض اس بنا پر رد کر دینا کہ وہ روایت سے مختلف ہے، ایک محدود تنقیدی زاویہ قرار پاتا ہے۔ ترقی پسند تحریک کے کارپرداز بہت جلد اس قدامت پسند نفسیات سے واقف ہو گئے تھے۔ نئی تعقل پسند نسل نے روایت پرستوں کی مخالفت کو فیصلہ کن اہمیت نہیں دی، بلکہ اپنی پوری توجہ ان نئی شعری ہیئتوں کی فکری اور فنی آبیاری پر مرکوز رکھی۔ ایک طرف آزاد نظم اور معریٰ نظم کی شدید مخالفت ہو رہی تھی، تو دوسری طرف ان کی حمایت میں بھی سنجیدہ تنقیدی مباحث سامنے آ رہے تھے۔ بدلتے ہوئے سماجی، سیاسی اور ادبی حالات میں ایک نئے طرزِ اظہار کی ضرورت پر بہت کچھ لکھا گیا۔ ترقی پسند حلقوں کے نزدیک تبدیلی زندگی کی علامت تھی، جب کہ جامد روایت پرستی ادب میں جمود، تکرار اور تخلیقی کمزوری پیدا کرتی ہے۔

تحریک سے وابستہ نوجوان شعرا اور ادیبوں نے آزاد نظم اور معریٰ نظم کے جواز میں ایک نیا تنقیدی باب کھولا۔ ان کے نزدیک نئی ہیئتیں محض فنی تجربے نہیں تھیں، بلکہ بدلتے ہوئے عہد، نئے شعور، سماجی اضطراب اور فکری مطالبات کے اظہار کا لازمی نتیجہ تھیں۔ اسی

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

تناظر میں ممتاز حسین نے یہ خیال پیش کیا کہ شعر صرف خیال کے اظہار کا ذریعہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ ایک ایسے اسلوب کے ذریعے خیال کا اظہار کرتا ہے جس سے کسی قوم کی ذہنی اور جذباتی تربیت وابستہ ہوتی ہے۔ جب شاعر اس تربیت میں تبدیلی لاتا ہے تو وہ براہِ راست کوئی حکم صادر نہیں کرتا، بلکہ غیر شعوری سطح پر اجتماعی احساس اور فکری رویے پر اثر انداز ہوتا ہے۔(۱۰)

مغربی ادب کے مطالعے نے ایک طرف اردو شعرا اور ادیبوں کو موضوعات میں تنوع، رنگارنگی اور وسعت کی طرف مائل کیا، تو دوسری طرف انہوں نے اسلوب، ہیئت اور تکنیک کے میدان میں بھی مغربی ادب سے اثرات قبول کیے۔ مغربی شاعری اور تنقید نے اردو شاعری پر جو اثرات مرتب کیے، ان میں ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کی اشاریت، ژاں پال سارتر کی وجودیت، اور کروچے کی اظہاریت پسندی کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ان فکری رجحانات نے اردو شاعری میں علامتی، داخلی، نفسیاتی اور فلسفیانہ اظہار کے نئے امکانات پیدا کیے۔

تاہم ان اثرات کا ایک منفی پہلو بھی سامنے آیا۔ شعرا کا ایک طبقہ فراریت کے رجحان کا شکار ہو گیا اور فن برائے فن یا ادب برائے ادب کے تصور کو غیر معمولی اہمیت دینے لگا۔ اس انتہا پسندانہ طرزِ فکر نے بعض صورتوں میں ادب کو زندگی کے عملی، سماجی اور اجتماعی مسائل سے کاٹ دیا۔ نتیجتاً ادب میں ایک نوع کا جمود، ابہام اور داخلیت پسندی پیدا ہونے لگی۔ بعض تخلیقات عام انسانی تجربے سے اتنی دور ہو گئیں کہ ان کا تعلق زندگی کے ٹھوس حقائق سے کمزور پڑ گیا۔ دوسری طرف ترقی پسند ادیبوں اور شاعروں نے مغربی ادب کے ساتھ ساتھ روسی ،ادب اور روسی انقلاب کے فکری اثرات کا بھی مطالعہ کیا۔ انقلابِ روس کی کشش نے ہندوستانی ادیبوں کو روسی دانشوروں، ناول نگاروں شاعروں اور نقادوں کے نظریات کی طرف متوجہ کیا۔ روسی ادبی فکر مغربی انفرادیت پسند اور جمالیاتی رجحانات سے بڑی حد تک مختلف تھی۔ روس کے پرولتاری انقلاب کے بعد وہاں کے ادیبوں نے حقیقت پسندی کو ادب میں مرکزی مقام دینا شروع کیا۔ لیکن بعض اوقات یہ حقیقت پسندی بھی ایک انتہا سے دوسری انتہا تک پہنچتی ہوئی محسوس ہوئی۔

روسی ادب اور اشتراکی فکر سے متاثر ہونے والے ہندوستانی شعرا اور ادیبوں نے، ایک طرف تقلیداً اور دوسری طرف فن برائے فن کے حامیوں کی مخالفت میں، فن برائے زندگی یا ادب برائے زندگی کا نعرہ بلند کیا۔ مگر اس طبقے میں بھی کئی افراد ادبی جمالیات اور فنی توازن کے صحیح راستے سے ہٹ گئے۔ انہوں نے حقیقت پسندی کے نام پر سطحی تجربات، براہِ راست سیاسی بیانات، نعرہ بازی اور فوری سماجی ردِ عمل کو ہی اصل شاعری سمجھنا شروع کر دیا۔ اس طرح ادب میں ایک دوسری انتہا پیدا ہوئی، جہاں فنی لطافت اور جمالیاتی شعور بعض اوقات نظریاتی شدت کے نیچے دب گئے۔(۱۱)

انقلابِ روس کے بعد خود روس میں بھی ایک بڑا ادبی انقلاب رونما ہو چکا تھا۔ وہاں قدیم شعری روایت کو بڑی حد تک محبت پرستی، انفرادیت اور بورژوا جمالیات سے وابستہ قرار دیا گیا، جب کہ نئے سماجی حالات کے تحت ادب سے ایک نئے کردار کا تقاضا کیا گیا۔

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

سیاست کے زیرِ اثر ادبی جمالیات کے مفاہیم کو بدلنے کی کوشش کی گئی اور ان کی جگہ مارکسی حقیقت نگاری کو مرکزی اہمیت حاصل ہو گئی۔ ادب کو اجتماعی جدوجہد، طبقاتی شعور اور انقلابی مقصدیت کے تابع سمجھا جانے لگا۔ تاہم اس عمل کا ایک منفی پہلو بھی تھا۔ بعض مقامات پر ادب کو کمیونسٹ پارٹی کے مفادات کے تابع کر دیا گیا، جس کے نتیجے میں ادیبوں اور شاعروں کی شخصی آزادی محدود ہونے لگی۔ جب ادبی آزادی پارٹی مفاد کے ماتحت ہو جائے تو تخلیق کا آزادانہ مزاج متاثر ہوتا ہے۔ اس صورتِ حال میں صرف وہی موضوعات، خیالات اور بیانیے قابلِ قبول سمجھے گئے جو پارٹی کے سیاسی مفادات کے مطابق ہوں۔ اس کے برعکس ایسی تنقید، خواہ وہ تعمیری اور صحت مند ہی کیوں نہ ہو، جس سے پارٹی مفادات کو معمولی نقصان یا فکری چیلنج پہنچنے کا اندیشہ ہو، اسے برداشت نہیں کیا گیا۔

یوں ادب کے میدان میں ایک نئی نوعیت کی نظریاتی آمریت پیدا ہونے لگی۔ ادیب کی تخلیقی آزادی، تنقیدی بصیرت اور فکری خود مختاری محدود ہو گئی۔ اس ماحول میں ادب زندگی کی ترجمانی کے بجائے بعض اوقات سیاسی ہدایت نامے کی صورت اختیار کرنے لگا۔ اسی تناظر میں بلغاریہ کے وزیرِ اعظم ولکو چرویکوف کی ایک تقریر کا اقتباس قابلِ توجہ ہے، کیونکہ بلغاریہ بھی کمیونسٹ انقلاب کے اثرات سے گزر چکا تھا اور وہاں بھی ادب، سیاست اور نظریے کے باہمی تعلق پر اسی نوعیت کی بحثیں سامنے آ رہی تھیں۔

ادب پر سیاست کی بالادستی اور پارٹی کے ذریعے تخلیقی سرچشموں پر جبر کو خود روس کے سنجیدہ مصنفین بھی پسند نہیں کر رہے تھے۔ وہ اس رویے کے خلاف مختلف سطحوں پر آواز اٹھا رہے تھے، مگر ان مخالف آوازوں کو سختی سے دبایا جا رہا تھا۔ ذرائع ابلاغ پر پارٹی کی آہنی گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ اختلافی خیالات روس کی سرحدوں سے باہر نہیں پہنچ پاتے تھے۔ بیرونی دنیا تک جو خبریں، ادبی تحریریں اور فکری مواد پہنچتا تھا، وہ دراصل پارٹی کا تیار کردہ تشہیری ادب ہوتا تھا۔ اس ادب میں کمیونسٹ پارٹی کی برتری، یا دوسرے الفاظ میں سیاست کی ادب پر ،بالادستی، کو دنیا کے لیے مفید اور ضروری ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اس تشہیری ادب میں یہ تلقین کی جاتی تھی کہ شاعر، ادیب مفکر اور فلسفی امنِ عالم کے عظیم مقصد کے حصول کے لیے پارٹی کی قیادت اور برتری کو تسلیم کریں۔ ان سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ پارٹی کے احکامات کی پابندی کو اپنا فریضہ سمجھیں اور اپنے قلم کو اسی سیاسی رہنمائی کے تحت استعمال کریں۔ اس طرح تخلیقی آزادی کو ایک منظم نظریاتی ڈھانچے کے تابع کر دیا گیا تھا، جہاں ادیب کی انفرادی بصیرت کے بجائے پارٹی کی سیاسی ضرورت کو بنیادی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔

اس تشہیر کا اثر اردو شاعری پر بھی پڑ رہا تھا چنانچہ ان کی تخلیقات ادب کے منصب عالیہ سے نیچے اترنے لگیں۔ ان شعراء کے یہاں اشتہاری اور پروپیگنڈہ کا عنصر بڑھنے لگا اور ادب کے سنجیدہ قارئین کو یہ تخلیقات بے وقعت نظر آنے لگیں۔ یہ نئی ہیئتیں نئے رجحانات، نئی لفظیات اور نئے موضوعات کے اظہار میں معاون ثابت ہوئیں۔ شعرا نے انہیں اظہار کے زیادہ آزاد اور وسیع وسیلے کے طور پر استعمال کیا۔ ان تبدیلیوں کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ نظمِ معریٰ اور آزاد نظم کی ہیئت، ان کے فنی اصول، ان کی افادیت اور ان کے ممکنہ نقصانات پر بھی نظر ڈالی جائے، تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ ان صنفوں نے کس طرح نئے موضوعات، نئی لفظیات اور نئے شعری مزاج کو اپنے اندر جگہ

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

کا اردو مترادف ہے۔ اردو میں ترقی پسند تحریک سے پہلے بھی اس کی مثالیں Blank Verse دی۔ نظمِ معریٰ دراصل انگریزی اصطلاح موجود تھیں۔ سب سے پہلے حالی نے اس کا ذکر کیا اور اسے "غیر مقفیٰ نظم" کا نام دیا۔ بعد ازاں عبدالحلیم شرر نے اس نظم کو رواج دینے کے لیے باقاعدہ کوشش کی۔ انہوں نے مولوی عبدالحق سے مشورے کے بعد اسے "نظمِ معریٰ" کا نام دیا، جو آج تک مستعمل ہے۔ چونکہ یہ صنف انگریزی ادب کے اثر سے اردو میں داخل ہوئی تھی، اس لیے ابتدا میں اس کی انگریزی تکنیک بھی ساتھ آئی، لیکن جلد ہی اسے اردو زبان کے مزاج، صوتی ساخت اور عروضی تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی گئی۔ اردو میں نظمِ معریٰ کی بنیادی خصوصیت یہ قرار پائی کہ اس میں بحر کی پابندی برقرار رہتی ہے، لیکن قافیہ اور ردیف کی قید ختم کر دی جاتی ہے۔ ترقی پسند تحریک سے پہلے کے بعض شعرا نے بھی اس طرف توجہ دی۔ ابتدا میں یہ کوشش کی گئی کہ نظمِ معریٰ کے لیے کوئی مخصوص بحر مقرر کر دی جائے، مگر یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ بعد میں یہ بات قبول کر لی گئی کہ شاعر قافیہ اور ردیف کی پابندی سے آزاد رہتے ہوئے کسی بھی بحر میں نظم کہہ سکتا ہے، بشرطیکہ اس میں نظم کا داخلی تسلسل اور وحدتِ خیال موجود ہو۔ ابتدائی دور میں اکبر الہ آبادی، عظمت اللہ خاں، عبدالحلیم شرر اور اسماعیل میرٹھی جیسے شعرا نے اس طرز پر توجہ دی اور مختلف بحروں میں اس نوع کی نظمیں کہیں۔ نظمِ معریٰ کے لیے کسی ایک مخصوص بحر کا مقرر نہ ہونا دراصل اس صنف کے حق میں بہتر ثابت ہوا۔ اگر اسے کسی ایک بحر تک محدود کر دیا جاتا تو یہ بھی اردو کے روایتی عروضی نظام اور قافیہ و ردیف کی جکڑ بندیوں کا شکار ہو جاتی۔ اس صورت میں وہ مقصد پورا نہ ہو پاتا جس کے تحت یہ ہیئت وجود میں آئی تھی۔

مخالفتوں، اعتراضات اور باہمی تکرار کے باوجود جب آزاد نظم اور نظمِ معریٰ میں تخلیق کا سلسلہ جاری رہا تو اردو شاعری میں رفتہ رفتہ ان کے لیے جگہ پیدا ہونے لگی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب سنجیدہ ادبی قارئین اور ناقدین نے ان کی ادبی حیثیت کو تسلیم کرنا شروع کر دیا۔ جب ان ہیئتوں میں مسلسل تخلیقی عمل جاری رہا تو جلد ہی ان کے محاسن اور معائب بھی نمایاں ہونے لگے۔ ان نظموں کے اجزائے ترکیبی پر غور کیا گیا اور بعض خصوصیات کو ان کے لیے لازمی قرار دیا گیا۔ وحدتِ خیال، یعنی فکر اور موضوع کی داخلی اکائی، نظم کے لیے بنیادی شرط سمجھی گئی۔ غزل کے ایک شعر کی طرح نظم میں بھی ایک مرکزی خیال کی موجودگی ضروری قرار پائی، لیکن فرق یہ تھا کہ نظم میں پورے متن کا باہمی ربط، تسلسل اور ہر مصرعے کا اگلے مصرعے سے معنوی تعلق بھی لازم تھا۔

اپنے تمام محاسن اور معائب کے باوجود ترقی پسند تحریک کے دورِ عروج میں نئی نظم نے ادبی ماحول پر گہرا اثر ڈالا۔ تخلیق کاروں، نوجوان شعرا اور ادب دوستوں کے درمیان ان نئی ہیئتوں کی مقبولیت اپنی بلندی پر پہنچ گئی۔ نظموں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور بہت سے نئے فن کار بھی اس طرف متوجہ ہوئے۔ ان میں چند اچھے، باصلاحیت اور سنجیدہ نظم نگار بھی شامل تھے، جنہوں نے اس صنف میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کیا۔ تاہم دوسری طرف ان ہیئتوں کے تکنیکی اور فنی معائب نے عوامی سطح پر ان کی مقبولیت کو محدود بھی رکھا۔ ایک طویل عرصے تک عام قارئین انہیں پوری طرح قبول نہ کر سکے۔ بعد ازاں وہ دور بھی آیا جب سماج کی بدلتی ہوئی تہذیبی

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

قدروں، نئے انسانی تجربات، سیاسی شعور اور اجتماعی زندگی کی پیچیدگیوں کی عکاسی کی ضرورت زیادہ شدت سے محسوس کی جانے لگی۔ اس نئے ماحول میں نظم نے رفتہ رفتہ اپنی اہمیت اور افادیت منوانا شروع کی۔ اسی عہد میں غزل، جو ترقی پسند تحریک کے دورِ عروج میں نظم کے مقابلے میں کسی حد تک معتوب قرار پائی تھی، دوبارہ اپنا مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔ لیکن اس بار غزل کی واپسی نے نظم کی مقبولیت کو ختم نہیں کیا۔ اس کے بعد آنے والے دور میں غزل اور نظم دونوں اردو ادب میں شانہ بہ شانہ آگے بڑھنے لگیں۔ ان کے درمیان سابقہ کشمکش اور تقابل کی جگہ ایک متوازن ہم سری نے لے لی، جس سے مجموعی طور پر اردو شاعری کو غیر معمولی فائدہ پہنچا۔

اگر بیسویں صدی کی اردو شاعری کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ اس صدی کے آغاز ہی سے غزل کے ساتھ ساتھ نظم بھی اردو شاعری میں ایک قابلِ توجہ صنف کے طور پر رواج پا چکی تھی۔ اقبال کی فکر انگیز نظموں، اختر شیرانی کی رومان پرور شاعری، جوش ملیح آبادی کی پرجوش اور ہنگامہ خیز نظموں، اور حفیظ جالندھری کی مذہبی و رومانی شاعری نے اردو نظم نگاری کے افق کو وسیع کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ ان نظموں میں زیادہ تر وہی روایتی اور مانوس شعری ہیئتیں استعمال کی گئیں جو پہلے سے اردو شاعری میں رائج تھیں۔ چونکہ یہ ہیئتیں اردو قارئین اور سامعین کے لیے اجنبی نہیں تھیں، اس لیے ان کے خلاف کوئی نمایاں ردِ عمل سامنے نہیں آیا۔

نظم کی ان روایتی ہیئتوں کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں کچھ ایسے نوجوان شعرا سامنے آئے جن کی فکری اور ادبی تربیت مغربی ماحول سے متاثر غلام ہندوستان میں ہوئی تھی۔ ان شعرا نے مغربی نظم کی چند ہیئتوں کو اردو میں برتنے کے تجربات کیے۔ ان ہیئتوں میں آزاد نظم اور نظمِ معریٰ بھی شامل تھیں، جنہیں بعد میں ترقی پسند شعرا نے بڑے پیمانے پر اختیار کیا اور جنہیں عوامی سطح پر بھی کسی حد تک مقبولیت حاصل ہوئی۔ لیکن تیسری دہائی میں جب یہ تجربات کیے گئے تو انہیں قبولِ عام حاصل نہ ہو سکا۔ کچھ عرصے تک ان تجربات کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی، مگر خاطر خواہ کامیابی نہ ملنے کے باعث انہیں ترک کر دیا گیا۔ یہاں بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہی شعری تجربات جو تیسری دہائی میں ناکام ثابت ہوئے، چوتھی دہائی میں دوبارہ سامنے آنے پر کیوں کامیاب ہوئے؟ کیوں انہیں عوامی قبولیت بھی ملی اور مختلف ادبی حلقوں کے شعرا نے بھی انہیں اظہارِ خیال کے لیے مفید سمجھ کر اختیار کیا؟ اس سوال کا جواب اس عہد کے سیاسی، سماجی اور ادبی ماحول کے تجزیے میں پوشیدہ ہے۔(۱۲)

زیرِ مطالعہ مباحث سے واضح ہوتا ہے کہ ترقی پسند تحریک اور اردو نظم کا تعلق یک طرفہ یا محض نظریاتی نہیں تھا۔ سیاسی اور معاشی حالات نے شاعری کو نئے مسائل دیے، لیکن نظم کی فنی ساخت، داخلی موسیقیت اور استعاراتی نظام نے بھی ان مسائل کے اظہار کو نئی صورت بخشی۔ ترقی پسند نظم کے ذریعے محنت کش، کسان، عورت، محکوم قوم اور شہری زندگی کے عام کردار شعری منظرنامے میں زیادہ نمایاں ہوئے۔ تاہم کسی نظریے سے وابستگی اچھی شاعری کی لازمی ضمانت نہیں بنی؛ وہ تخلیقات زیادہ دیرپا ثابت ہوتی ہیں جن میں تجربہ

Research Journal
Noor e Tahqeeq
ISSN (P) 2519-6618, ISSN (E) 2521-0157
Lahore Garrison University, Lahore

شعری پیکر میں ڈھل جاتا ہے۔ آزاد نظم اور نظمِ معریٰ کی مخالفت نے فنی معیار، زبان کی ساخت اور آہنگ سے متعلق بنیادی سوالات اٹھائے، جب کہ ان کے حامیوں نے تخلیقی آزادی اور عصری تجربے کی ضرورت کو اجاگر کیا۔ ان دونوں رویوں کے مکالمے ہی سے جدید اردو نظم کا ادبی افق وسیع ہوا۔ اس لیے ترقی پسند تحریک کی تاریخی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے ادبی نتائج کا مطالعہ صرف سیاسی معیار کے بجائے فکری بصیرت، جمالیاتی تشکیل اور فنی تکمیل کے مشترکہ پیمانے پر کرنا چاہیے۔

حوالہ جات و مآخذ

۱۔ میر، محمد صفدر (۱۹۹۱)، فیض کا نظریۂ سخن، مشمولہ: فیض احمد فیض، مرتبہ، خلیق انجم، لاہور: گلشن پبلشرز، ص۱۸۷۔

۲۔ جعفری، علی سردار (1957،) ترقی پسند ادب، لاہور۔ دہلی یونین پرنٹنگ پریس، ص111، ص186، ص۱۰۶

۳۔ احتشام حسین، سید (۱۹۸۹) اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، لاہور: مکتبہ خلیل،، ص۱۷۹، ۱۸۰۔

۴۔ ظہیر، سجاد، (۱۹۵۵) روشنائی، نئی دہلی: سیما پبلی کیشنز، ص۷۸، ۷۹۔ ص309، ص193، ص245، ص309، ص370۔

۵۔ ،اعظمی، خلیل الرحمن، (2002)، اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک، علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ص ۳، ص27 ، ص31 ص43، ص42، ص95، ص45، ص88، ص91، ص96، ص98

۶۔ محمد صادق، ڈاکٹر، (۱۹۸۱) ترقی پسند تحریک اور اردو افسانہ، دہلی: اردو مجلس، ص۱۵۔ ص103، ص63، ص84

۷۔ سدید، ڈاکٹر انور (۲۰۱۸) اردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقی اردو،ء، ص۳۴۱۔

۸۔ سرور، آل احمد، نئے اور پرانے چراغ، لکھنؤ، لکھنؤ یونیورسٹی، ص340, ص342

۹۔ کیفی، ڈاکٹر حنیف (1994) ترقی پسند نظم، مشولہ، ترقی پسند ادب، پچاس سالہ سفر، مرتبہ، قمر رئیس، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس،، ص464

۱۰۔ ،اجملی، اجمل، ترقی پسند نظم، مشمولہ، ترقی پسند ادب: پچاس سالہ سفر، مرتبہ، قمر رئیس، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، 1994 ص467

۱۱۔ جعفری، علی سردار، (1987،) ترقی پسند ادب کی نصف صدی، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، ص44

۱۲۔ تقی، ڈاکٹر یوسف، (1980) ترقی پسند تحریک اور اردو نظم، کلکتہ، دیارِ فکر و فن،، ص110